بحث و نظر

بسلسلہ نظام و نصاب مدارس

شیخ نذیر حسین صاحب

مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی

لاہور

مدارسِ عربیہ کا نصابِ تعلیم

السلام علیکم۔ معارف (مارچ ۱۹۸۷ء) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زیرِ اہتمام "مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم پر ایک مذاکرے کی کارروائی پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ مجھے بھی درسِ نظامی کی بعض چھوٹی اور بڑی کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہے۔ اس لئے میری گذارشات بھی پیشِ خدمت ہیں۔

جہاں تک تبدیلی نصاب کا تعلق ہے۔ میری ناقص رائے میں قرآن مجید اور صحاح ستّہ کا متن تاقیامت شامل نصاب رہے گا۔ ان کو مستثنیٰ کر کے باقی سب مضامین اور کتابوں میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ ان کے علاوہ فقہ میں ہدایہ نہایت جامع اور مفید ہے۔ اور صدیوں سے دینی مدارس کے نصاب کا جزوِ اعظم بنی ہوئی ہے۔ ادب کی تعلیم کے لئے دیوان الحماسہ ضروری ہے۔ قرآن مجید کے ادبی اور اعجازی محاسن کی تفہیم و تعلیم کے لئے دلائل الاعجاز[1] (عبدالقاہر الجرجانی) بے نظیر ہے۔ جو کہ کرد علی شامی کے الفاظ میں صحیفۃ من ادب العالی (ادبی شاہکار) ہے۔ اسی طرح اسرارِ شریعت میں شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ لاثانی ہے۔ مؤخر الذکر دونوں کتابیں ندوہ کے نصاب تعلیم کی مابہ الامتیاز کتابیں ہیں۔ لہذا ان کو بھی نصاب میں شامل رہنا چاہئے۔

درسِ نظامی میں غیر اہم اور ناقابلِ لحاظ مضمون علم التفسیر رہا ہے۔ جس میں صرف دو کتابیں جلالین اور بیضاوی شامل نصاب ہیں۔ جلالین کے الفاظ قرآن پاک کے الفاظ کے برابر ہیں جب کہ تفسیر بیضاوی کے اڑھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں (پاکستان) تو جلالین کے بعد بیضاوی کا صرف ایک پارہ تبرک کے طور پر پڑھا دیا جاتا ہے اور بس۔ حالاں کہ مغلیہ دور کے اوائل تک تفسیر مدارک التنزیل اور کشاف پڑھائی جاتی ہیں۔

حدیث کی تعلیم جماعتی مسلک کے تحت دی جاتی ہے۔ اور وہ بھی سرسری، درس حدیث میں مختلف فیہ فقہی

---

[1] دلائل الاعجاز کا نہایت دیدہ زیب ایڈیشن مشہور فاضل محقق علامہ محمود محمد شاکر کی تصحیح و تحقیق سے مکتبہ الخانجی قاہرہ نے شائع کیا ہے جو اصحاب عربیت کے دیکھنے کی چیز ہے۔

مسائل (آمین، رفع یدین اور رکعت تراویح وتہجد کی تعداد کی تعیین وغیرہ) پر کئی کئی دن بحث جاری رہتی ہے۔ جب کہ اخلاقی مباحث کا سرسری ذکر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میری تجویز ہے کہ حدیث کی جو بھی کتاب پڑھائی جائے وہ کامل پڑھائی جائے۔ ممالک عربیہ کی طرح مختلف کتب حدیث سے مختلف ابواب منتخب کر کے ان کی تعلیم دی جائے۔ حدیث کے بلاغی پہلوؤں پر شاید ہی کسی کی نظر جاتی ہو۔ حالاں کہ خود عرب ادبا نے عربی زبان کی تعلیم وتدریس کے لیے حدیث کے مطالعہ کو ضروری قرار دیا ہے۔

مشہور ادیب اور ناقد ادب ضیاء الدین ابن الاثیر نے مثل السائر میں لکھا ہے کہ اس نے صرف ملکہ انشاء حاصل کرنے کے لئے صحاح ستہ کا دس برس تک لگاتار مطالعہ کیا ہے۔ کرد علی شامی نے مذاکرات میں اپنی تعلیم کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس نے ادب آموزی کے لیے صحیحین (بخاری ومسلم) کا بارہا مطالعہ کیا ہے۔

اگر قدیم فلسفہ کی ایک آدھ معیاری کتاب (مثلاً ابن سینا کی النجاۃ وغیرہ) نصاب میں رہنے دو تو مضائقہ نہ ہوگا

عربی صرف نحو کی تعلیم میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔ اب عربی قواعد سیکھنے کے لئے فارسی کتب (صرف میر، نحو میر، فصول اکبری اور علم الصیغہ نامناسب ہیں۔ آج سے چونسٹھ برس پیشتر مولوی عبدالعزیز میمن مرحوم نے آداب العربیہ کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون مخزن (لاہور) میں لکھا تھا۔ کتب نحو کے بارے میں ان کے دلچسپ تاثرات ملاحظہ ہوں۔

"مجھے اپنے ملک کے نصاب تعلیم پر بھی کچھ کہنا ہے۔ سو یہیں کہے دیتا ہوں۔ بلاد عرب میں صرف ونحو کی تعلیم کے لئے بالتدریج یہ کتابیں مقرر ہیں: اجرومیۃ۔ لامیۃ الافعال، ابن عقیل شرح الفیۃ۔ قطر الندی۔ یا شذور الذہب۔ اور اگر کسی کو خاص شوق ہوا تو التوضیح لابن ہشام ومغنی اللبیب۔ سبحان اللہ! کیا خوب اور سادہ کتابیں ہیں۔ صاف الفاظ میں قواعد سمجھا کر مثالوں میں ان کو رواں کر دیتی ہیں۔ جو نحو کا اصل مقصد تھا۔ مگر ہمارے ہاں نوجوانا موں کی موشگافیاں، بسم اللہ کی غیر متناہی تراکیب۔ کافیہ کے جملہ "الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد" میں مفرد کے صور سہگانہ۔ مسئلۃ الکحل۔ مسئلۃ الحسن الوجہ۔ پھر شرح جامی کا مسئلہ حاصل ومحصول، جو درحقیقت علم نحو ہی سے کچھ سروکار نہیں رکھتا۔ اعتراضات حقہ رضی بر کافیہ، جوابات باردہ مولوی جامی: یہ سب نحو کے اعضائے رئیسہ قرار دیئے گئے ہیں جن سے اصل نحو کچھ ایسی غائب ہو گئی کہ سات آٹھ سال تک بھی طالب علم کو اس کا سراغ نہیں ملتا۔ پھر اب ایسا غوجی سے قاضی اور صدرا یا شمس بازغہ تک قریباً انتیس درسی کتابوں کا ذکر کیجئے جو قریباً عمر گراں مایہ کے چھ سات سال لیتی ہیں۔ اور طالب علم کو اس

قابل بنا دیتی ہیں کہ کسی کا کہا نہ ماننے اور ہر بات میں بال کی کھال نکالنے کی کوشش کرے اور اپنی زندگی کا حاصل اور مساعی غیر مشکور کا محصول انہیں چھو اعتراضوں یا جوابوں کو گردانے جو اس نے اپنے استاذ یا کتاب کے برخلاف نہایت دقت آفرینی و دماغ سے تیار کئے ہیں۔ (مخزن جولائی ۱۹۲۰ء)

میمن صاحب کے مذکورہ بالا مشاہدات و تجربات آج سے باسٹھ برس قبل کے ہیں جب کہ آج معیار تعلیم کی پستی
عال ہے کہ طلبہ کی بیشتر تعداد عربی کی عبارت کو صحت اعراب کے ساتھ نہیں پڑھ سکتی۔ ایک طالب علم
ی کا دیوان پڑھ لیتا ہے لیکن اسے پتا نہیں چلتا کہ متنبی کون تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا۔ اس کے کلام پر
تبصرہ بڑی اونچی بات ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے عربی ریڈریں لکھوا کر قابل تحسین کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان میں مولانا محمد رابع
ی کی منشورات ثانوی درجات میں عربی ادب کی تعلیم کے لئے نہایت مفید ہے۔ اگر اس کتاب میں چند صفحات
شعار (دیوان ابوالعتاہیہ۔ دیوان امام شافعی اور کتاب الادب (حماسہ) سے انتخاب کے بھی شامل کر لئے
تو یہ کتاب جامع اور مفید تر ثابت ہو سکتی ہے۔

اس زمانے میں عربی میں تقریر و تحریر کی اہلیت اور ضرورت واضح ہے لیکن ہماری غرض مقصود تفسیر، حدیث
قہ میں معرفت اور مہارت ہونی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے بیروت کے عیسائی ائمہ لغت و ادب
بی شیخو اور لوئیس معلوف اور میخائیل نعیمہ) کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ ہمارے ہاں تو مفتی محمد عبدہٗ، سید
شید رضا، قاضی احمد محمد شاکر اور دوسرے علماء ہی مقبول و محترم رہے ہیں۔ عربی کا دامن قیام قیامت تک
م سے بندھا رہے گا۔ سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ طلبہ کو عربی اخبارات و رسائل میں ضرورت سے زیادہ انہماک
لئے علوم اسلامیہ کی امہات کتب یعنی حقیقی مصادر و مآخذ سے متعارف کرایا جائے اور ان میں علمی تحقیق کا شوق پیدا کیا جائے۔

سائنسی معلومات کی ضرورت جتنی آج ہے اس سے پیشتر کبھی نہ تھی اس لئے طلبہ کو
ی واقف کرانا ضروری ہے یعنی وہ سائنسی معلومات جن کی روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔

عربی کی اعلیٰ تعلیم صرف ان طلبہ کو دی جائے جو اس کے اہل و قابل ہوں۔ عام طلبہ کو قرآن مجید کا ترجمہ۔ ریاض الصالحین
یک دو فقہی کتابیں پڑھا کر فارغ کر دیا جائے۔ مہنگائی کے اس دور میں بدشوق اور کند ذہن طلبہ کی بھیڑ لگانی
ود ہے۔ کتابی تعلیم دینے کے علاوہ طلبہ کو تہذیب نفس کی تعلیم دی جائے۔ انہیں سادہ زندگی، محنت و مشقت
دی بنایا جائے۔ اور انہیں سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں شرکت سے روکا جائے +